حیات مرتضویؑ کے گونا گوں مناظر

پروفیسر علامہ سید علی محمد نقوی صاحب قبلہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

انسان کارگاہ عالم میں عقل وفہم وادراک کے زیوروں سے آراستہ کر کے بھیجا گیا۔ اس نے یہاں آتے ہی اپنی ذہنی صلاحیتوں کی نمائش شروع کر دی۔ انسان نے اسی نمائش کے جذبے کے تحت فن شعر ایجاد کیا۔ فن مصوّری کو دریافت کیا۔ فن تحریر وتقریر کا اجراء کیا۔ جنگ کے لئے فولاد کو پگھلا کر طرح طرح کے ہتھیار بنائے کسی کا نام نیزہ رکھا، کسی کا شمشیر یا سناں رکھا اور کسی کا گرز یا تیر رکھا۔ دنیا میں اب تک مختلف علوم کے بہت سے عالم بھی پیدا ہوئے مگر ایسے بہت کم خوش قسمت ہوئے جو کسی فن میں کامل ہو سکے ہوں اور ایسے افراد تو بہت ہی کم پیدا ہوئے جو ایک سے زیادہ فنون میں کمال حاصل کر سکے ہوں۔

اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ ہر فن کی اپنی ایک الگ دنیا ہوتی ہے۔ مثلاً فن جنگ کے لئے مضبوط انگلیاں چاہئیں، کڑے ہاتھ اور بے رحم دل درکار ہے۔ مصوّری کے لئے اس کے برخلاف پتلی اور سڈول انگلیاں چاہئے ہیں، ملائم اور نازک ہاتھوں اور حساس دل کی ضرورت ہے یا مثلاً فلسفہ ومنطق کے مسائل میں اُلجھنے کے لئے تحقیق پسند طبیعت کی ضرورت ہے۔ برخلاف شاعری کے، جس میں رنگینی اور شگفتگی ضروری ہے اور چونکہ یہ بظاہر ناممکن ہے کہ ایک ہی آدمی کڑے ہاتھ بھی رکھتا ہو اور نازک بھی۔ اس کا دل بے رحم بھی ہو اور حساس بھی۔ وہ فولادی انگلیاں بھی رکھتا ہو اور ساتھ ہی ساتھ وہ سڈول بھی ہوں۔ اس کی طبیعت خشک بھی ہو اور شگفتہ بھی، اس لئے وہ ایک سے زیادہ فنون میں کمال نہیں حاصل کر پاتا۔ اسی طرح انسان میں بہت سے جذبے ہیں، جذبہ عداوت، جذبہ حسد ورقابت، جذبہ غیظ وغضب، جذبہ غرور وہمت یا استقلال وبہادری، جذبہ انکسار وخوف، دوسروں کو مغلوب بنانے کا جذبہ، دوسروں کے کام آنے کا جذبہ، دوسروں سے دب کر رہنے کا جذبہ وغیرہ وغیرہ۔

تاریخ میں ایسی شخصیت نظر نہیں آتی جس میں یہ سب وصف موجود ہوں۔ اس میں بہادری وہمت واستقلال بھی ہو اور دوسروں کے کام آنے کا جذبہ بھی ہو۔ جذبہ نخوت وغرور وتکبّر بھی ہو انکساری بھی ہو، اس کی طبیعت میں دوسروں پر غالب ہو کر رہنا بھی ہو اور دوسروں سے دب کر رہنے کی صلاحیت بھی۔ طاقت وتوانائی وہمت بھی ہو اور خوف کا جذبہ بھی ہو۔

عموماً اگر کسی میں غرور وتکبر ہوتا ہے تو انکساری کا جذبہ ناپید ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ اگر ایک ہوتا ہے تو دوسرا نہیں ہوتا، اور دوسرا وصف ہوتا ہے تو تیسرا نہیں ہوتا۔

بظاہر اس کا سبب بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ایک جذبہ اور ایک صفت چونکہ بعض دوسری صفتوں کی ضد ہے۔ اس لئے کئی صفتیں ایک ساتھ ایک انسان میں جمع نہیں ہوتیں۔

اگر تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو رسولؐ خدا کے بعد ایک اور بس ایک شخصیت نظر آئے گی جس کی ذات میں

انسان کی تمام مستحسن صفتیں اکٹھا ہوگئی ہیں اور جس کی ذات ''اجتماعِ اضداد'' کی واحد مثال ہے جس میں استقلال و ہمت بھی ہے۔ بہادری کے ساتھ ساتھ انکسار بھی۔ خوفِ خدا بھی، جس کی فطرت میں شگفتگی بھی ہے اور سادگی و متانت بھی، جو شاعر بھی ہے، مقرر بھی اور خطیب بھی اور اسی کے ساتھ ساتھ علم نحو کا موجد بھی، فلسفہ و منطق کا عالم بھی اور نفسیات کا ماہر بھی اور کامل شمشیر زن بھی۔ غرض جو تمام فنون میں کامل اور تمام اوصاف حمیدہ کا حامل ہے۔ یہ ذات امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؑ کی ہے۔

حیاتِ علیؑ کے جس منظر پر نظر جاتی ہے بھرپور تاثر لے کر پلٹتی ہے جس منظر کو دیکھئے وہ بے مثال، زندگی کے جس گوشے کو دیکھئے وہ انوکھا اور جس وصف کو دیکھئے کامل!

اگر دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر نظر ڈالیے گا تو علیؑ حق و صداقت کا دامن پکڑے نظر آئیں گے۔ صاف گوئی کو گلے لگائے دکھائی دیں گے۔

پیغمبر اسلامؐ نے تمام اہل قریش کو جمع فرمایا ہے، دسترخوان چُنا ہوا ہے۔ عرب کے لکھ پتی کروڑ پتی سرداران قریش بیٹھے ہیں کہ دفعتاً ایک آواز گونجتی ہے۔ تمام نظریں آواز پر اُٹھ جاتی ہیں۔ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہوئے سنے جاتے ہیں، میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی نیکی لایا ہوں۔ اللہ نے مجھے اس پر مامور کیا ہے کہ میں تمہیں اپنی طرف بلاؤں۔ تم میں سے کون اس دین کی نشر و اشاعت میں میرا ہاتھ بٹانے کے لئے تیار ہے۔ وہی میرا جانشین، خلیفہ اور وصی ہوگا۔

مجمع پر گویا خاموشی کے بادل ٹوٹ پڑتے ہیں، سکوت کی ظلمت چھا جاتی ہے کہ دفعتاً ایک بجلی کوندتی نظر آتی ہے، ایک کمسن بچہ قریش کی صفوں میں سے کھڑا ہوتا ہے اور اپنی معصومانہ زبان میں کہتا ہے: ''اے خدا کے رسولؐ! میں آپ کا ہر طرح سے ساتھ دوں گا۔''

مجمع ان الفاظ کو کمسنی کی ناعاقبت اندیشی پر محمول کرتے ہوئے ہنس دیتا ہے۔ مگر رسولؐ بڑھ کر اس بچے کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں بس یہی میرا خلیفہ، وصی اور جانشین ہے، تم لوگوں پر اس کی اطاعت لازم ہے۔

یہ بچہ کون تھا؟ یہ پیغمبرؐ خدا کے حقیقی چچازاد بھائی علی بن ابی طالبؑ تھے جو اپنی کمسنی کے باوجود حق کا ساتھ دینے کھڑے ہوگئے اور پھر اگر واقعہ ہجرت کو دیکھئے گا تو علیؑ مکمل جانثاری و جاں فروشی کا مرقع محسوس ہوں گے۔

رسولؐ کے مکان کے گرد چالیس تلواریں چمک رہی ہیں۔ مشرکین قریش کو یقین ہے کہ آج پیغمبرؐ کا ہم کام تمام کر دیں گے۔ خدا کا ارادہ ہے کہ وہ رسولؐ کو بچائے گا وحی آتی ہے اور رسولؐ شب کے پردے میں مدینہ کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں، بسترِ محمدی پر کون خوابیدہ ہے؟ مشرکین کا خیال ہے کہ رسول اسلامؐ ہیں مگر نہیں، پیغمبرؐ تو تشریف لے گئے، یہ اور کوئی ہے! شاید کوئی ملک حکمِ خالق سے آکر اس بستر پر آرام کر رہا ہو؟ وہی قد، وہی شان! مگر نہیں ملک بھی نہیں، یہ وہی انسان ہے جس نے کمسنی میں عہد کیا تھا کہ:

''اے خدا کے رسولؐ میں ہمیشہ آپ کی نصرت کروں گا۔'' رات کے سائے گہرے ہو چکے ہیں، مشرکین خانہ رسولؐ کو گھیرے ہوئے ہیں اور علیؑ بستر پیغمبرؐ پر آرام فرما رہے ہیں، ادھر ایک بار عرش اعظم صدائے ربانی سے گونجتا

ہے، اے میکائیل اے جبرئیل! میں نے تم دونوں کو بھائی بھائی قرار دیا ہے اور تم میں سے ایک کی عمر دوسرے سے زیادہ ہے اب تم میں سے کون ہے جو اپنی فاضل عمر اپنے بھائی کو دے دے، خدا کی معصوم مخلوق کے دو افراد جواب دیتے ہیں کہ اے مالک! ہم میں سے ہر ایک کی یہی خواہش ہے کہ زیادہ سے زیادہ تیری عبادت کریں۔ ارشاد ربّانی ہوتا ہے کہ ذرا زمین کی طرف تو دیکھو، مَلَک کی معصوم نظریں آستانہ خاکی کی طرف جھک جاتی ہیں۔ وہی اللہ کا عبادت گذار بندہ جو شاید اس وقت کبھی سوتا نظر نہ آتا تھا، آج خوابیدہ نظر آتا ہے۔ پروردگار دونوں آسمانی بھائیوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ کیوں نہ ہوئے تم مثل علی بن ابی طالبؑ کے کہ جس نے اپنی ذات کو اپنے بھائی پر قربان کر دیا ہے۔ شاید آج ہی فرشتوں کو معلوم ہوا کہ دوسروں کے کام آنا بھی عبادت ہے اور ایسی عبادت جس پر خود معبود خوش ہو کر کہے کہ: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ۔ (اور انسانوں ہی میں سے وہ بھی جس نے اپنی جان رضائے الٰہی کی خاطر بیچ ڈالی ہے۔)

یہاں تو معبود و ملائکہ میں یہ گفتگو ہے اور ادھر خانۂ رسولؐ کے گرد و پیش میں چہ می گوئیاں ہو رہی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ اس وقت رسولؐ کو شہید کر دیا جائے۔ (جو ان کی نظروں میں اب بھی بستر پر خوابیدہ تھے) اور کوئی کہتا ہے کہ نہیں صبح کے ہونے کا انتظار کیا جائے۔ باتوں میں وقت گزر جاتا ہے اور صبح نمودار ہوتی ہے۔

آفتاب آنکھیں ملتا اپنی رُندھی رُندھی روشنی سے کارگاہ انسانی کو تکتا پردہ ظلمت کے باہر آتا ہے، رات چاند ستاروں کے گہنے اُتار کر گردش زمانہ کے سپرد کرتی ہے۔ ملگجی ظلمت ردائے نور اوڑھ کر آرام کی نیند سو جاتی ہے۔ نسیم سحر درختوں کے ساز پر گاتی ہوئی گذرتی ہے نہ جانے آج بھی معبود ہی کی حمد و ثنا کر رہی ہے یا اس بندے کی تعریف کر رہی ہے جس پر خود معبود کو بھی ناز ہے۔

مشرکین مکہ جو رات بھر انتظار سحر میں جاگتے رہے تھے، دیوار پھاند پھاند کر خانۂ رسولؐ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ علی مرتضیٰؑ کی آنکھ کھلتی ہے چادر الٹ کر اٹھ بیٹھتے ہیں، مشرکین ہکّا بکّا رہ جاتے ہیں۔ ان کو اپنے خوابوں کا طلسم ٹوٹتا نظر آتا ہے۔ تعجب اور حسرت کے ملے جلے لہجے میں سوال کرتے ہیں: ''اَیْنَ ابْنُ عَمِّکَ یَا مُحَمَّدُ'' اے علیؑ آپ کے چچازاد بھائی کہاں ہیں۔ اور علیؑ اطمینان و سکون کے ساتھ اپنا نپا تُلا جواب دیتے ہیں کہ کیا تم نے مجھے ان کا نگراں بنایا تھا۔ مشرکین لاجواب ہو جاتے ہیں اور رسولؐ کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اور پھر بدر کے میدان میں چلئے تو علیؑ ہی ہمت و استقلال، شجاعت و بہادری کی تصویر معلوم ہوں گے۔

اسلام کی پہلی لڑائی ہے اور اس میں مہاجرین کا علم سرکار رسالتؐ کی طرف سے علیؑ کو عنایت ہوتا ہے نہ جانے رسالتمآبؐ نے ایک ناتجربہ کار نوجوان کو اس منصب کے لئے کیوں چنا۔ جب کہ مہاجرین ہی میں حمزہؓ جیسی فن جنگ میں پختہ ہستی موجود تھی۔ بہرحال جنگ شروع ہوئی اور آغاز دست بدست لڑائی سے ہوا۔ سب سے پہلے اسلامی لشکر سے جو بہادر میدان میں گئے ان میں سے علیؑ بھی تھے۔

ولید سے دست بدست جنگ ہوئی اور علیؑ کی تلوار نے

اسے موت کے حوالے کردیا۔ علیؑ کی کفر شکن شمشیر ولید کو قتل کرنے کے بعد صبر نہیں کر بیٹھی بلکہ وہ میدان جنگ میں خون کے دریا بہاتی رہی۔ مورخین کا بیان ہے کہ کفار کے لشکر میں جتنے سپاہی قتل ہوئے تھے ان میں سے آدھے علیؑ ہی کی تلوار سے واصل جہنم ہوئے تھے۔

جنگ بدر علیؑ کے ان عظیم جنگی کارناموں کا آغاز تھا جن کی وجہ سے ملکۂ شجاعت و بہادری میں ان کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سکہ چل گیا اور جس کی وجہ سے تمام بہادران عرب علیؑ کی ہمت و استقلال کے سامنے جھک گئے اور وہ علیؑ کی تلوار کا لوہا مان گئے۔

اور آگے نظر دوڑائیے تو جنگ احد دکھائی دے گی۔ وہ امتحانی جنگ جس میں دنیا کو دودھ اور پانی کا امتیاز ہوگیا۔ معلوم ہوگیا کہ کون حضورؐ کا سچا دوست ہے اور کون مصنوعی؟ کس کو اسلام زیادہ عزیز ہے اور کسے اپنی جان، کون کرار ہے اور کون فرّار؟

جنگ اپنے پورے شباب پر ہے۔ مسلمانوں کے پیر میدان سے اکھڑ چکے ہیں بڑے بڑے جیالے صحابہ، خوف جان سے مجبور ہوکر پہاڑوں کی بلندی اور غاروں کی گہرائی میں جا چھپے ہیں۔ میدان جنگ میں صرف تھوڑے سے غازیان اسلام پوری شدت کے ساتھ لڑ رہے ہیں۔ کسی طرف جناب حمزہؓ مشرکین سے برسرِ پیکار ہیں، کہیں جناب ابودجانہ انصاری خون کے دریا بہار ہے ہیں۔ ہر طرف کفر ہی کفر چھا گیا ہے بس کہیں کہیں پر اسلام اپنی ضو دکھا رہا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رات کی ظلمتوں کے لشکر کا چند تارے مقابلہ کر رہے ہیں اور پھر جیسے جیسے جس طرح رات گذرتی جاتی ہے تارے ڈوبتے جاتے ہیں اسی طرح جوں جوں وقت گذرتا جارہا ہے، مجاہدین کی تعداد گھٹتی جارہی ہے اب ابودجانہ زخمی ہوکر گرے اب حنظلہ شہید ہوئے، اب جناب حمزہ نے جہان فانی کو خیرباد کہا، یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں بس ایک مجاہد اور رسول اسلامؐ اکیلے رہ گئے۔ اب مشرکین نے رسولؐ خدا کی ذات کو اپنے حملوں کا نشانہ بنالیا۔

ہر طرف سے کفار شمع رسالتؐ پر اس کے بجھانے کے لئے ٹوٹ پڑے، رسولؐ پر تیروں، نیزوں اور پتھروں کی بارش شروع ہوگئی، جس سے رسولؐ اللہ کا جسم مبارک شدت کے ساتھ مجروح ہوگیا۔ رسولؐ ایک قریبی نشیب میں غش کھا کر گر پڑے اور اُدھر کفار نے جنگی سیاست کے تقاضے سے یہ مشہور کردیا کہ پیغمبرؐ شہید ہوگئے۔ لیجئے چند اصحاب جو دور سے تماشا دیکھ رہے تھے یہ سوچ کر واپس ہوگئے کہ اب پیغمبرؐ تو اس دنیا میں رہ ہی نہیں گئے جنگ کر کے کیا کریں۔ مگر ایک مجاہد ایسا بھی میدان میں موجود ہے جس کی جنگ میں اس افواہ سے اور زور آگیا اور یہ علیؑ کی ذات ہے۔

بظاہر مشرکین فتح کا دروازہ کھٹکھٹا رہے تھے اور اہل اسلام شکست کے دہانے پر کھڑے تھے۔ مگر اس حقیقت سے علیؑ کی جنگ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ایک تلوار ہے جو کبھی اُٹھتی ہے اور کبھی گرتی ہے کبھی بڑھتی ہے کبھی کھنچتی ہے کبھی بائیں طرف مڑتی ہے کبھی دائیں طرف، کبھی مشرکین کے خون کے دریا میں ڈوبتی ہے۔ کبھی سر باہر نکالتی ہے۔ غرض ایک بازو ہے، ایک تلوار ہے اور ایک ذات ہے۔ علی بن ابی طالبؑ کی ذات جو مشرکین کی فتح کے راستے میں دیوار بن کر کھڑی ہوگئی ہے۔ علی چُن چُن کے علم داران لشکر کو قتل کر رہے ہیں۔ یہاں

تک کہ ایک بار پھر علیؑ کی تلوار کی بے پناہ مار سے مشرکین کے پیر اُکھڑ جاتے ہیں اور عرب کے منجھے ہوئے شمشیر زن علیؑ کے مقابلے کی تاب نہ لاکر میدان چھوڑ جاتے ہیں۔

اب فضا کو گرد وغبار سے پاک کرنے کے بعد امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ، رسول اسلام محمد مصطفیٰؐ کے پاس جاتے ہیں۔ پیغمبرؐ یکہ وتنہا مایوس بیٹھے ہیں اور مُنھ سے خون جاری ہے اس وقت سرور کائنات کی نظروں میں ہوسکتا ہے کہ ابھی کچھ پہلے کے وہ مناظر گھوم رہے ہوں، جب پیغمبرؐ آواز دے رہے تھے مسلمانوں مجھے چھوڑ کر کہاں جارہے ہو اور مسلمان اس طرح حواس باختہ تھے کہ رسولؐ کی آواز پر مُڑ کے بھی نہیں دیکھ رہے تھے اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ رسولؐ کو دشمنوں کے حوالے کرکے جارہے تھے۔ رسولؐ کو اپنے اصحاب سے یہ مایوسی، زخموں کی تکلیف، مصائب کی شدت اور اس وقت نظر علیؑ پر پڑ جاتی ہے۔ رسولؐ اللہ فرماتے ہیں: یا علیؑ تم بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ نہ چلے گئے اور علیؑ نبض شناس رسولؐ اپنے خاص انداز میں جواب دیتے ہیں کہ کیا میں اسلام قبول کرنے کے بعد کافر ہوجاتا اور رسولؐ خوش ہوجاتے ہیں۔ اب علیؑ اپنی ڈھال میں پانی لالا کر رسولؐ کے چہرے اور سرِ اقدس کا خون دھو رہے ہیں۔ اور ایسے نازک وقت میں جبرئیل رسولؐ سے کہہ دیتے ہیں یا رسولؐ اللہ علیؑ نے دوستی کا حق ادا کردیا۔ اور رسولؐ اللہ جواب دیتے ہیں: ''کیوں ایسا نہ ہو، وہ مجھ ہی سے تو ہے۔'' اور ملک کہتا ہے کہ: ''میں آپ دونوں سے ہوں۔''

جناب امیرؑ نے اس رسولؐ کے انتقال کی افواہ کے مشہور ہونے کے بعد بھی اسی مستعدی کے ساتھ جنگ کرکے ثابت کردیا کہ ہم رسولؐ کی پاسداری میں جنگ نہیں کرتے بلکہ اس لئے جنگ کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور اس موقع پر اسلام کو خطرہ لاحق ہے۔ اگر مسلمان صرف رسول اسلامؐ کی زندگی ہی تک رہتے تو جہاد نہ کرتے۔ اگر پیغمبرؐ کی زندگی میں ان کے چشم وابرو کے اشارے پر ہم چلتے تو صرف اس لئے کہ ہم مسلمان ہیں اور پیغمبرؐ رسول اسلام ہیں۔ ایسے ہی مسلمان وہ ہوسکتے ہیں جن کے قدم صراط مستقیم پر سے رسولؐ کے بعد بھی نہ ہٹیں۔ اور جو مسلمان ایسے ہوں جو صرف وفات رسولؐ کی ایک ہنگامی افواہ سے اپنی راہ عمل کو بدل دیں ان کے لئے بہت ممکن ہے کہ واقعی انتقال پیغمبر کے بعد وہی لوگ نصرت اسلام سے کنارہ کش ہوکر اپنے نفس کی نصرت میں منہمک ہوجائیں۔ اور پھر خندق کو دیکھئے جس میں تمام شیطانی طاقتیں متحد ہوگئی ہیں کہ شمع انسانیت کو بجھا کر رہیں گی۔ ایک خیمہ لگا ہوا ہے جس میں شہنشاہ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معہ اپنے تمام خاص اصحاب کے جلوہ افروز ہیں اتنے میں ایک گرج دار آواز آتی ہے۔ اطلاع آتی ہے کہ حزب مخالف کا سب سے طاقت ور پہلوان عمرو ابن عبدود معہ اپنے چند ساتھیوں کے خندق پار کرآیا ہے اور اب پیغمبرؐ کے خیمے کے سامنے کھڑا مبارزہ طلبی کررہا ہے۔ ''کیا اسلام میں کوئی ہے جو میرے مقابلے کے لئے نکلے؟''

مجمع مومنین کو گویا سانپ سونگھ جاتا ہے سب کے سروں پر طائر بیٹھ جاتے ہیں۔ کوئی زبانی بھی یہ کہنے والا نہیں ملتا کہ میں جنگ کے لئے تیار ہوں، کہ ایک بار پہلوان پھر گرجتا ہے۔ ''کیا تم میں کوئی مجھ سے لڑنے کی ہمت نہیں رکھتا؟'' مگر اسلامی خیمے میں یہ حال ہے کہ جنگ کی بات

تو دور کی ہے کوئی اس کے سامنے جانے کے لئے تیار نہیں، اسی اثنا میں عمرو پھر چنگھاڑا۔ ''کیا میں سمجھ لوں کہ تم میں کوئی مرد نہیں ہے؟''

یہ جملہ سننے کے بعد، جس پر ایک بار عرب کی عورتوں کا خون بھی کھول اٹھتا ''مردان راہ خدا'' کی یخ بستہ جرأتیں بیدار نہیں ہوتیں، پہلوان تین مرتبہ چیلنج کرتا ہے اور کسی دفعہ کوئی اسلامی مجاہد منھ سے نہیں بولتا۔ ہاں ہر بار علیؑ ہی ہیں جو کھڑے ہو ہو کر پیغمبرؐ سے جنگ کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ مگر رسولؐ یہ کہہ کر بٹھا دیتے ہیں کہ ابھی انتظار کرو، تیسری مرتبہ علیؑ تڑپ کر کہتے ہیں کہ یارسولؐ اللہ اب پیمانہ صبر لبریز ہوگیا ہے۔ رسولؐ کہتے ہیں: ''اچھا پھر جاؤ، خدا تمہاری مدد کرے گا'' اس موقع پر بھی کہنے والے یہ کہہ کر علیؑ کی ہمت کو پست کرنا چاہتے تھے کہ عمرو تو وہ ہے جو ہزاروں کو اکیلا موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے اور ایک صاحب اپنے بیان کے ثبوت میں ایک واقعہ پیش فرمانے لگتے ہیں۔ مگر علیؑ کے استقلال نفس کا یہ عالم ہے کہ ان لوگوں کی ہمت شکن باتیں ان کے جوش میں اضافہ کر رہی ہیں، کسی طرح کی کمزوری نہیں آنے دیتیں۔ یہ آگ اس پانی سے بھڑکتی ہی جارہی ہے۔ بجھنے کا نام نہیں لیتی۔ علیؑ لڑنے کے لئے جاتے ہیں جنگ شروع ہوتی ہے، ایک دوسرے پر وار کرتا ہے آپس میں تلواریں ٹکراتی ہیں۔

علیؑ وعمرو میں ۔۔۔۔۔۔۔۔نہیں شیطان وانسان میں چوٹیں چل رہی ہیں کفر وایمان کی نظریں لڑی ہوئی ہیں، حق وباطل کی تلواریں ٹکرا رہی ہیں۔ مقابلہ برابر کا ہو رہا ہے۔ جب یہ بڑھ کر وار کرتے ہیں وہ دب کر روکتا ہے، وہ حملہ کرتا ہے تو یہ دفاع کرتے ہیں کہ ایک بار اس کی تلوار امامؑ کے سراقدس پر پڑتی ہے سر سے خون کا فوارہ اُبلتا ہے اور اب علیؑ چوٹ کھائے ہوئے شیر کی طرح عمرو پر حملہ کرتے ہیں اور ایک ہی ضرب میں اس کا فیصلہ کر دیتے ہیں۔ عمرو ابن عبدود کی کمر پر علیؑ کی برق شمشیر گری اور پہلوان زخمی ہو کر زمین پر آیا۔ علیؑ اس کے سینے پر بیٹھتے ہیں تا کہ اس کا سر تن سے جدا کریں، مگر وہ شان مجاہد میں گستاخی کرتا ہے۔ علیؑ کے منھ پر لعاب دہن پھینک دیتا ہے۔ علیؑ اس کے سینے سے اتر آتے ہیں۔ دشمن سوال کرتا ہے کہ ''یا علیؑ میرے تھوکنے سے تو آپ کو اور زیادہ غصہ آنا چاہئے تھا یہ آپ نے کیا کیا۔'' علیؑ نے جواب دیا کہ: ''جب تم نے گستاخی کی تو مجھے غصہ آگیا، میں نے مناسب نہ سمجھا کہ مذہبی کام میں اپنے خواہش نفس کو دخیل ہونے دوں۔''

اور پھر جنگ خیبر ہے جس میں تین دن مسلسل لشکر اسلام مختلف علم داروں کی قیادت میں شکست کھاتا ہے اور تیسرے دن رسولؐ کا ارشاد ہوتا ہے کہ: ''کل میں اسے علم دوں گا جو کرّار ہوگا، غیر فرار ہوگا، خدا اور رسولؐ کو وہ دوست رکھتا ہوگا اور خدا اور رسولؐ اسے دوست رکھتے ہوں گے۔ ہر مسلمان کو آج شوق ہے کہ علم مجھے ملے۔ مجاہدین نے اپنے ذہنوں میں خوابوں کے اونچے اونچے محل کھڑے کر رکھے ہیں مگر جب وقت آتا ہے تو علم اسی ہمیشہ کے وفادار سپاہی کو دیا جاتا ہے۔ رسولؐ علیؑ کو طلب کرتے ہیں اور علم داری کا منصب سونپتے ہیں اور اس طرف صحابۂ کرام کی آس ٹوٹ جاتی ہے، امیدوں کے چراغ گل ہوجاتے ہیں اور خوابوں کے محل

زمین پر آجاتے ہیں۔

میدان جنگ میں علیؑ بہ نفس نفیس تشریف لاتے ہیں رجز پڑھتے ہیں۔ مرحب کا چھوٹا بھائی نکلتا ہے اور علیؑ کی تیغ ایک ہی ضرب میں اسے واصل جہنم کر دیتی ہے۔ اب حزب مخالف کا سب سے طاقتور پہلوان مرحب اپنے تمام دبدبہ وطمطراق کے ساتھ آتا ہے مگر نتیجہ وہی! وہ بھی اس مردِ مجاہد کی تلوار کا نشانہ بنتا ہے۔ علیؑ ایک ہی ضرب میں اس کی طاقت کا بھرم توڑ دیتے ہیں اور پھر قلعہ خیبر کے اس پھاٹک کو ایک ہی ہاتھ سے اکھاڑ دیتے ہیں جسے کئی آدمی مل کر کھولتے اور بند کرتے تھے اور ہر جنگ کی طرح اس فتح کا سہرا بھی علیؑ کے سر بندھتا ہے۔۔۔۔ اگر حدیبیہ کے میدان میں چلئے گا تو وہی علیؑ دنیا کو صلح وآشتی دامن پسندی کا پیغام دیتے ملیں گے۔

رسولؐ کے ساتھ ایک ہزار[1] سے زیادہ مسلمان ہیں جو سب حج کے ارادے سے مکہ کی طرف آئے ہیں، مشرکین آکر راستہ روکتے ہیں اور رسولِؐ خدا صلح کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ بے صبر مسلمان رسولؐ کے اس عمل پر طرح طرح کی نکتہ چینیاں شروع کر دیتے ہیں کہ یہ ہماری بہت سخت ذلت ہے کہ ہم اس قدر کثرت کے باوجود اس طرح دب کر صلح کر لیں۔ مگر رسولؐ ان ضعیف الایمان مسلمانوں کی باتوں کو سُنی اَن سُنی کر دیتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولؐ اپنے کاموں میں شوریٰ کے پابند نہ تھے۔ جب صلح نامہ لکھنے کا وقت آتا ہے تو علیؑ ہی اس خدمت کے لئے طلب کئے جاتے ہیں اور اب ہمیشہ جو صاحب شمشیر ہوا کرتا تھا آج صاحب قلم بن جاتا ہے جو ہاتھ تلوار چلایا کرتا تھا آج اسی ہاتھ میں قلم چل رہا ہے، جو انگلیاں ہمیشہ خونِ دشمن اور ''خون کفر'' سے تاریخ لکھا کرتی تھیں آج صلح کی دستاویز لکھ رہی ہیں۔

صلح ہو جاتی ہے اور قافلہ اسلامی باکرّ وفر واپس چلا جاتا ہے، خالق ارض وسما کی طرف سے ''فتح عظیم'' کی سند ملتی ہے جس میں رسولؐ کے ساتھ برابر کے حصہ دار علیؑ بھی ہیں۔

علی بن ابی طالبؑ کی زندگی کے اس منظر کو بھی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی جب یہ تلوار اور قلم کا دھنی، روحانیت کا پیکر بن کر نصارائے نجران سے روحانی مقابلہ کے لئے ''انفسنا'' کا تاج زیب سر کر کے گیا تھا۔ میدان میں عیسائیوں کے بڑے سے بڑے رہنما روحانی مقابلہ کے لئے کیل کانٹے سے لیس منتظر تھے کہ آج فیصلہ ہونے ہی والا ہے کہ روحانیت میں اسلامی رہنما آگے ہیں یا مسیحی پادری کہ اتنے میں رسولِؐ خدا نمودار ہوتے ہیں، گود میں چھوٹا نواسا حسینؑ ہے۔ انگلی پکڑے ہوئے بڑا نواسا حسنؑ پیچھے پیچھے فاطمہؑ ہیں اور سب کے عقب میں علیؑ ابن ابی طالبؑ۔ ایک بار عیسائی کے سب سے بڑے رہنما نے ان ہستیوں کو دیکھا اور کانپ گیا۔ وہ نورانی چہرے اور ضیائے ایمانی۔ فوراً اس نے اپنی قوم سے کہا کہ ان لوگوں سے صلح کر لو۔ ورنہ قیامت آجائے گی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بددعا کر دیں تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔ صلح ہو جاتی ہے اور رسولؐ کامران وشادکام شہر میں واپس آتے ہیں۔

اس واقعہ کے کچھ ہی برس کے بعد رسولؐ کا انتقال ہو گیا۔ اب دنیا ہی بدل گئی۔

اب وہ علیؑ جو ہر جنگ میں پیش پیش رہتے ہیں گوشہ

(۱) ایک ہزار پانچ سو یا ایک ہزار چار سو یا ایک ہزار تین سو (تاریخ ناسخ، ج ۳ ص ۲۱۸)

تنہائی میں زندگی گزارنے لگے۔مگر اب بھی مسلمانوں کے آڑے وقت پر علیؑ ہی کام آتے ہیں۔ جب کوئی ایسا مسئلہ پیش ہوتا ہے جس کا حل اہل اقتدار کے پاس نہیں ہوتا تو علیؑ ہی طلب کئے جاتے ہیں جس پر کئی مرتبہ خلیفۂ دوم کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ ''لَوْ لَا عَلِیٌ لَهَلَکَ عَمَرُ''(اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتا)۔

مگر یہ کہنے کے باوجود عملی طور پر اہل اقتدار نے امیرالمومنینؑ کے ساتھ جو رویہ اپنایا وہ تاریخ اسلام کے دامن پر سیاہ داغ ہے۔۔۔۔۔تیرہ چودہ سو برس کی کوششوں کے باوجود مورخین اس دھبّے کو دھونے میں ناکام ہیں۔

یہی رویہ تھا جس کی وجہ سے چشم فلک کو وہ منظر بھی دیکھنا پڑا جب فاتح بدر واحد، خیبر وخندق کے گلے میں رسی تھی اور آپ نظریں جھکائے جارہے تھے۔کیا آج علیؑ وہ طاقت وہمت واستقلال کھو بیٹھے تھے جو احد وبدر کی جنگوں میں ان میں تھا؟ کیا آج علیؑ کے سینے میں وہ دل نہیں تھا جو اس سے پہلے تھا؟ کیا آج ذوالفقار کی دھار کند ہوگئی تھی؟ نہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ اس کا ثبوت صفین وجمل ونہروان کی لڑائیوں میں مل گیا۔مگر علیؑ نے خاموشی کے ساتھ اس لئے گلے میں رسی بندھوائی کہ دنیا کو صبر کے جوہر بھی دکھا دیں۔تاکہ اسلام میں کوئی بڑی خانہ جنگی نہ ہونے پائے جو اسلام کی تباہی کا پیغام بن جائے۔آج قاتل مرحب صرف اس وجہ سے مظلوم بنا کہ اسلام کا مفاد پیش نظر تھا۔ورنہ اب بھی علیؑ کے ماتھے کی ہلکی سی شکن اور ان کی تلوار کی برائے نام جنبش دفتر اقتدار الٹ سکتی تھی۔اور قصر حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجاسکتی تھی۔

پچیس برس کی لگاتار خاموشی کے بعد ایک بار پھر علیؑ زمانہ کی نظروں کے سامنے آئے،تاریخ نے اپنا ورق پلٹا اور مسلمانوں نے متفقہ طور پر علیؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کرلیا۔

اب چاہے اس منظر پر نظر ڈال لیجئے جب علیؑ منبر رسولؐ پر جلوہ افروز ہوں اور دہن سے فصاحت وبلاغت کے جھرنے پھوٹ رہے ہوں۔عقل وحکمت کے سمندر رواں ہوں اور شہر علم کا دَر کھلا ہوا ہے جو چاہے اس سمندر سے اپنی مشک بھرے جو چاہے اس جھرنے سے اپنی کھیتی کی آبیاری کرے، جو چاہے اس شہر علم میں داخل ہوجائے۔جس کا جی چاہے وہ اس علم وحکمت کے آفتاب کی روشنی میں اپنا راستہ تلاش کرے اور جس کو خدا توفیق دے وہ اس بہتے ہوئے پانی سے اپنی پیاس بجھائے، یہاں دوست ودشمن، کافرو دیندار، اپنے اور غیر کی کوئی تفریق نہیں۔ ہر ایک اس چشمے سے فیضیاب ہوسکتا ہے۔

یا چاہے اس منظر پر نظر ڈال لیجئے جب امیرالمومنینؑ عبادت میں مصروف ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔جس کی بے خوفی کا یہ عالم ہوتا تھا کہ ہزاروں سے اکیلا مقابلہ کرتا تھا، جب خدائے واحد کے دربار میں حاضر ہوتا ہے تو اس کا خوف سے جسم کانپنے لگتا ہے۔آنکھوں سے آنسو رواں ہوجاتے ہیں، چہرے کا رنگ اُڑ جاتا ہے۔وہ سر جو کبھی کسی کے سامنے جھکتا ہی نہ تھا۔ پہروں سجدۂ خالق میں جھکا رہتا ہے یہاں تک کہ لوگوں کو شبہہ ہوتا ہے کہ امیرالمومنینؑ کی روح جسم اقدس سے مفارقت کرگئی ہے۔ جب جناب امیرؑ عبادت میں مصروف

ہوتے ہیں تو اس میں اس طرح ڈوب جاتے ہیں کہ پیر سے تیر نکال لیا جاتا ہے اور ان کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اور کبھی ایک سائل کی ہلکی سی آواز کا احساس ہوجاتا ہے اور آپ رکوع ہی سے انگوٹھی اتار کر سائل کو دے دیتے ہیں۔ نماز بھی عبادت اور سائل کی ضرورت کو پورا کرنا بھی عبادت۔ شاید یہ دنیا کی پہلی دو آتشہ عبادت تھی۔

یا جی چاہے تو اس منظر کو دیکھ لیجئے جب خلیفۃ المسلمین امیرالمومنینؑ مزدوری کرتے نظر آرہے ہیں۔

جبین مبارک سے پسینہ کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ ہاتھ میں کدال ہے، کپڑے گرد آلود ہیں، عمامے کے پیچ کھلے ہیں۔

یا اس منظر کو دیکھ لیجئے جب شہنشاہ مملکت اسلامی خلیفۃ المسلمین رہنمائے ملت کوفہ سے باہر ایک کھنڈر میں ایک بیمار نابینا کے پاس بیٹھے ہیں اور اس کے سامنے کبھی دانہ ہائے خرما پیش کررہے ہیں اور کبھی اپنے ہاتھ سے چھیل چھیل کرانار کے دانے کھلا رہے ہیں اور کبھی پانی پلا رہے ہیں۔ یہاں وہی انسان جو مخدوم ملائکہ ہے ایک نابینا اور غریب انسان کا خادم بنا ہوا ہے۔

یا اس منظر کو یاد کرلیجئے جب بادشاہ دین و دنیا کوفہ کی مسجد میں خاصہ نوش فرمارہے ہیں، تھوڑا سا نمک ہے اور جَو کی ایسی سخت روٹی جس کو دیکھ کر ایک مفلس و نادار انسان بھی کھانے سے انکار کردیتا ہے۔

یا وہ منظر دیکھ لیجئے جب امیرالمومنینؑ مسجد میں ایک چٹائی پر تشریف فرما ہیں، ہر طرف صحابہ بیٹھے ہوئے ہیں اور مولائے کائنات رسولؐ کی حدیثیں، قرآن کی آیتیں اور حکیمانہ اقوال بیان فرمارہے ہیں، دہن مبارک سے پھول جھڑ رہے ہیں۔

یا صفین کا منظر دیکھ لیا جائے جب ۔۔۔۔ مسلمانوں ہی نے اپنے خلیفہ پر چڑھائی کردی ہے۔ جنگ فتح ہونے ہی والی ہے کہ حزب مخالف کے سپاہی نیزوں پر قرآن بلند کردیتے ہیں۔ اور امامؑ نہ چاہتے ہوئے بھی بعض مسلمانوں کی رائے کا پاس کرتے ہوئے صلح فرمالیتے ہیں۔

یا جمل کا منظر دیکھ لیجئے جب اُمّ المومنین عائشہ نے طلحہ وزبیر کے ساتھ مل کر امیرالمومنینؑ پر حملہ کردیا ہے۔ اور آپ فتح پانے کے بعد ان کے اعزاز واحترام میں کسی طرح کی کمی نہیں کرتے اور ان کو عزت کے ساتھ بہ حفاظت مدینہ بھجوادیتے ہیں۔

یا نہروان کا منظر دیکھ لیجئے جب خوارج کے سامنے آپ دھواں دھار تقریروں سے اتمام حجت فرماتے ہیں جن کی وجہ سے ہزاروں میں سے زیادہ تر افراد راہ راست پر آجاتے ہیں اور پھر اس کے بعد جب جنگ کرتے ہیں تو نو آدمیوں کے علاوہ کوئی زندہ نہیں بچتا۔

یا وہ منظر دیکھ لیجئے جب جناب امیرؑ کے سر پر زہر آلود تلوار پڑی تھی عمامہ کاٹ کر تلوار سر میں پیوست ہوجاتی ہے، خون کے فوّارے بہنا شروع ہوجاتے ہیں اور بدر واُحد، خیبر وخندق، صفین ونہروان کے سورما میں اتنی طاقت نہیں رہ جاتی کہ اپنے پیروں پر چل کر گھر تک جاسکے۔ جس کے سہارے ہمیشہ اسلام چلتا تھا آج اسے دوسروں کے

سہارے چلنا پڑتا ہے، امیر المومنینؑ ایک چادر میں لٹا کر لے جائے جاتے ہیں مگر اس حالت میں بھی زبان ذکر الٰہی سے خاموش نہیں ہوتی اور تلاوت قرآن کا سلسلہ آخر دم تک قائم رہتا ہے۔

یا وہ منظر دیکھ لیا جائے جب امیر المومنینؑ جیسا صابر جو اُحد میں زخموں سے چور ہو گیا مگر زبان سے اف نہ کی، بستر پر ایک کروٹ نہیں لیٹ پاتا اور فرش پر تلملاتا رہتا ہے پھر بھی اپنے قاتل پر اسے نہ غصہ آتا ہے نہ آتش انتقام بھڑکتی ہے۔ بلکہ جب صاحبزادی دودھ کا پیالہ لاتی ہے تو حضرت تمام دودھ نوش فرمانے کے بعد کہتے ہیں کہ ام کلثوم دیکھو میں نے سب پی لیا۔ کچھ چھوڑا نہیں مگر اب تمہیں میرے حق کی قسم ہے کہ ایک ایسا ہی پیالہ ابن ملجم کو بھی بھیج دو۔

امیر المومنینؑ کی سیرت میں کتنے ایسے ہی بے مثال مناظر دیکھنے میں آتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے کہ کس منظر پر نظر ڈالی جائے اور کسے نظر انداز کیا جائے۔

علیؑ ایک ہی ہیں مگر کبھی ان کے ہاتھوں میں تلوار نظر آتی ہے، کبھی علم اور کبھی قلم۔ زبان ایک ہی ہے مگر اس پر کبھی قرآنی آیات ہیں، کبھی شرعی مسائل اور کبھی پیغمبرؐ کے ارشادات اور کبھی علم و حکمت کی باتیں، کبھی منطق و فلسفہ کی بحثیں، کبھی اشعار اور کبھی موعظہ و نصیحت۔ قدم ایک ہی ہیں مگر اقدام مختلف۔ بدر و احد، خندق و خیبر میں وہی قدم سیسہ پلائی دیوار کی طرح جم جاتے ہیں اور وہی قدم حدیبیہ کے موقع پر صلح کر کے پیچھے ہٹ آتے ہیں۔ کبھی انھیں قدموں کے نیچے حکومت آتی نظر آتی ہے اور کبھی وہی قدم بے کسی و مجبوری کی طرف بڑھتے نظر آتے ہیں۔ آنکھ ایک ہی ہے مگر کبھی اس میں غیظ و غضب کی پرچھائیاں نظر آتی ہیں، کبھی ترحّم کا جذبہ، کبھی افتخار کی شان تو کبھی عاجزی و نا داری کی تصویر۔۔۔۔۔۔۔۔۔ گویا ذاتِ علی ۔ ایک گل دستہ ہے جس میں طرح طرح کے پھول مہکتے ہیں۔

یا اسے ایک ایسا سنگم کہہ لیا جائے جہاں دنیا کے تمام صفات کمال گلے مل رہے ہیں۔

یا کردار مرتضویؑ کو ایک ایسا عطر کہہ دیا جائے جس میں بہترین انسانی اقدار کی خوشبوئیں شامل ہیں۔

یا ذاتِ علیؑ کو ایک ایسا نقش سمجھ لیا جائے جس میں مصور نے اس کے قبضۂ اقتدار میں جتنے رنگ ہوں ان میں سے بہترین رنگ بھر دیئے ہوں۔

یا ذاتِ علیؑ کو ناظمِ دوجہاں کی ایک ایسی نظم تصور کر لیا جائے جس میں اس نے اپنے علوئے تخیل کی انتہائی بلندی کا مظاہرہ کیا ہو۔

یا اس کو ایک ایسا عجائب خانہ سمجھ لیا جائے جس میں بے مثال فنکار نے اپنے لافانی فن کے عظیم فن پارے نمائش کے لئے رکھ دیئے ہوں تاکہ لوگ ان کو دیکھیں اور بنانے والے کو سمجھیں۔

یا ذات و سیرت و کردارِ علیؑ کی ہمہ گیری کو مثال کے طور پر بھی پیش کرنے سے اپنی زبان و بیان بلکہ تصور و خیال کو بھی قاصر سمجھ لیا جائے جو اصل واقعہ ہے۔

❁❁❁